سنت، اجماع، اور مستشرقین

(ایک سوالنامہ کا جواب)

مولانا محمد ادریس صاحب استاد مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی اور مدیر مسئول ماہنامہ "بنیات" نے ڈاکٹر فضل الرحمن سے ان کے مضمون "سنت و حدیث" کے تصور کے بارے میں چند سوالات کئے تھے - "فکر و نظر" کے نومبر دسمبر ۱۹۶۴ء اور جنوری سنہ ۱۹۶۵ء کے شماروں میں یہ سوالات من و عن شائع ہوئے ہیں - ڈاکٹر فضل الرحمن کا یہ مضمون ان سوالات کے جواب کی پہلی قسط ہے - (مدیر)

آپ کا گرامی نامہ اور طویل سوال نامہ حسب ارشاد "فکر و نظر" میں شائع ہوگئے ہیں - آپ کے سوالوں کا جواب حاضر ہے - امید ہے اس سے غلط فہمیوں کا ازالہ ممکن ہوگا - لیکن جواب عرض کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اور آپ کے ماہنامہ "بینات" کے ادارہ کی خدمت میں ایک گذارش کروں - میرے مخدوم! افہام و تفہیم کے لئے بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کی بات سننے اور سمجھنے کے لئے سازگار فضا ہوتا کہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور ہوسکے، لیکن ماہنامہ "بینات" کے جس کے آپ مدیر "مسئول" ہیں، دو شماروں (دسمبر سنہ ۱۹۶۴ء - جنوری سنہ ۱۹۶۵ء) میں جس قسم کے غیظ و غضب اور عناد و منافرت کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اسے پڑھ کر میری ہمت تو نہیں ہوتی تھی کہ آپ کے سوالات کا جواب دوں، لیکن آپ کا چونکہ شدید اصرار ہے، اس لئے تعمیل ارشاد کر رہا ہوں -

محترمی! قرآن کریم کا ارشاد ہے:

أدع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة

اور رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب
لا نفضوا من حولك

پھر یہ بھی ارشاد ہوا ہے: ,, وجادلهم بالتي هي احسن ،،

آپ خدا کے فضل سے عالم دین ہیں اور جیسا کہ آپ نے ,, سوالنامہ ،، میں تحریر فرمایا ہے - ,, عمر کے چالیس قیمتی سال ... قرآن و حدیث اور تاریخ و فقہ اسلامی کے پڑھنے پڑھانے میں صرف کئے ہیں ،، نیز آپ کا ماہنامہ ,, قرآن کریم اور سنت نبوی کی تعلیمات کا علمبردار ،، ہے اور اس کے ,, سر پرست ،، خوش قسمتی سے ,, حضرت العلامہ السید الشیخ المحدث ،، ہیں - جب آپ جیسے بلند مرتبت بزرگ ایک علمی بحث میں اس سطح پر اتر آئیں اور اختلاف رائے کے لئے ,, کفر ,, الحاد ،، اور ,, زندقہ ،، کے سوا آپ حضرات کو اور کوئی الفاظ نہ ملیں - تو پھر کہاں کا افہام و تفہیم اور کہاں آپ اپنے مشتعل جذبات اور شرر بار طبیعت کو قابو میں رکھ کر میری معروضات ٹھنڈے دل سے سنیں گے -

مولانائے مکرم! آج سے کوئی ۸۵ سال قبل مولانا حالی جیسے حلیم الطبع اور بردبار شخص نے انتہائی دلی درد و کرب میں اپنے زمانے کے علماء کی سخت گیری اور تلخی کی یوں شکایت کی تھی -

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی
جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی
مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ
کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے
تو گردن پہ بارگراں لے کے آئے

اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائیے
تو قطعی خطاب اہل دوزخ کا پائیے

اگر اعتراض اس کی نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے

افسوس ہے اتنی طویل مدت گذرنے کے بعد بھی آپ بزرگوں نے زمانے سے کچھ نہ سیکھا ، اور اب بھی آپ کا وہی انداز تحریر اور طرز استدلال ہے' جس کا نقشہ مولانا حالی نے ''مسدس'' میں کھینچا تھا اور اس پر خون کے آنسو بہائے تھے -

اس عرضداشت کے بعد میں اصل موضوع پر آتا ہوں -

محترما! میرے مضمون ''سنت و حدیث'' کے بارے میں آپ نے جو استفسارات فرمائے ہیں' اور اسی ضمن میں آپ کی جو غیر معمولی برھمی ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں نے سنت و حدیث کے متعلق اپنا جو بنیادی تصور' جس کی اساس تاریخ ہے' پیش کیا ہے' وہ آپ پر واضح نہیں ہوسکا' اور مجھے اس کا واقعی افسوس ہے - کیونکہ میں نے بقول آپ کے ''طویل و عریض'' مقالہ اسی لئے لکھا تھا اور اس میں اتنی مثالیں اس لئے دی تھیں کہ سنت وحدیث کے متعلق اپنا یہ بنیادی تصور واضح کردوں - اب قبل اس کے کہ آپ کے سوالات کا ایک ایک کرکے جواب دیا جائے' مناسب یہ ہوگا کہ میں پیش نظر موضوع کے متعلق چند بنیادی مقدمات عرض کردوں - میرا خیال ہے ان کی روشنی میں میں اپنی بات زیادہ وضاحت سے کہہ سکوں گا -

محترمی و مخدومی ! سنت و حدیث کے بارے میں میرا نظریہ یہ ہے -

(۱) رسول اکرم علیہ الصلواۃ والسلام کی بعثت سے پہلے عربوں میں ایک قسم کا قانون (باوجود اس کے مقامی اختلافات کے) رائج تھا - جس کو وہ ''سنت'' کہتے تھے' یہ بھی لفظ ''سنت'' کے لغوی معنی نہیں تھے' بلکہ اصطلاحی معنی تھے -

(۲) ''سنت'' میں چونکہ عمل کا تصور مضمر ہے - اور یہ محض نظریہ نہیں - اس لئے ''سنت'' میں اس کے مفہوم و معنی کے ایک لازمی جزو کی حیثیت سے یہ تصور بھی موجود ہے کہ ''سنت'' کی مختلف احوال میں مختلف طریقوں پر عملی تطبیق ہوتی رہے گی - چنانچہ من حیث المشمولات التفصیلیہ عربوں کی یہ ''سنت'' جو مثال کے طور پر ایک ہزار سال پہلے تھی' وہ بعینہ بعثت نبوی سے سو سال قبل نہ تھی - مختلف احوال میں مختلف طریقوں پر اس کی عملی تطبیق ہوتے رہنا' یہ بات ''سنت'' کی ماہیت میں داخل ہے-

(۳) بے شک عربوں کے معاشرے میں جو اعتقادی' اخلاقی' معاشرتی اور اقتصادی خرابیاں تھیں، رسول اکرم علیہ الصلواۃ والسلام کی بعثت مبارک سے دور ہوگئیں - لیکن آپ ص کی بعثت صرف عربوں کے لئے نہ تھی- آپ ص پورے جہان کے لئے اور ابد الاباد تک کے لئے مبعوث کئے گئے تھے - گو آپ ص کے اولین مخاطب عرب تھے' اور آپ ص کی دعوت کا ابتدائی عملی ماحول بھی عربی تھا -

(۴) آنحضرت صلی‌اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کو عملی شکل دینے کے لئے جدوجہد فرمائی' میرے نزدیک وہ اساسی اہمیت رکھتی ہے' اور جیسا کہ بعد میں مفصل آئے گا' میں اسی کو ''سنت'' کہتا ہوں - ''سنت'' کے بارے میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ اس کے بغیر قرآن مجید کو بالکل سمجھا نہیں جاسکتا - بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ قادر مطلق ہے اور نبوت اسی کی دین ہوتی ہے' لیکن رسول اکرم علیہ الصلواۃ والسلام کی فطرت سلیمہ (جو من جملہ دیگر اشیاء کے بعثت سے قبل آپ ص کے غار حرا میں کثرت سے عبادت اور سوچ بچار کرنے سے صاف عیاں ہے) کے پیش نظر آپ ص کا انتخاب بلاوجہ نہ تھا (۱)''.

''اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ''

قرآن مجید لفظاً اور معناً منزل من‌اللہ ہے - وہ ابدی ہے اور انسانی تخلیق سے ماورا ہے -

۱ - نبوت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دو جانب سے معرض وجود میں آتی ہے اس کی ایک جانب تو نبوت قبول کرنے والے کی ہوتی ہے......دوسری جانب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کا مبعوث کیا جانا ہے - (ہممات) (مدیر)

(٥) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور آپ ص کی عملی جدوجہد اساسی اہمیت رکھتی ہے اس لئے آپ ص کی '' سنت '' اور قرآن کریم میں تشابک اور تلازم کا رشتہ ہے۔اسی لئے ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا -

(٦) رسول اکرم علیہ الصلواۃ والسلام کی پوری دعوت اور جدوجہد اور اس کے سب پہلو مع آپ ص کے اقوال و اعمال کے، '' سنت رسول '' ہے - اور وہ لازماً مسلمانوں کے لئے روز اول سے تھی - اس میں آپ ص کے مغازی، احکام، سیاست، اجتماعی و اقتصادی فرمان اور عائلی زندگی سب شامل ہیں -

(٧) اب اگر آپ ص کا کوئی قول اور فعل آپ ص کی اس پوری دعوت اور اس کی جو عمومی روح ہے، اس سے علحدہ کرکے دیکھیں گے، تو میرے نزدیک یہ '' سنت '' کا مصداق نہیں ہوسکتا - در اصل جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام اقوال و اعمال کو '' سنت '' بناتی ہے اور اس طرح یہ ہمارے لئے '' اسوہ '' ہوتے ہیں ' وہ ہے وہ پورا منہاج، روح اور مقصد ' جو آپ ص کی یہ دعوت ہمارے سامنے پیش کرتی ہے - اور جس کی ہدایت تیئیس برس تک قرآن کریم دیتا رہا - ان تئیس برسوں میں آپ ص کو مختلف النوع حالات سے گزرنا پڑا - اور ان کے متعلق آپ ص نے مختلف فیصلے فرمائے - لہذا پوری '' سنت '' کو سمجھنے کے لئے آپ ص کی پوری پیغمبرانہ زندگی کو ایک ناقابل تقسیم وحدت کے طور پر پیش نظر رکھنا ہوگا . یہی معنی ہیں میری اس بات کے جو میں اوپر شق نمبر ۲ میں عرض کر آیا ہوں کہ '' سنت '' کی تطبیق مختلف احوال میں مختلف طریقوں پر ہوگی، اور '' سنت '' کی وحدت پھر بھی برقرار رہے گی -

(٨) '' سنت رسول ص '' کو مسلمانوں نے اپنایا - اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور مسلمانوں کو مختلف حالات سے دو چار ہونا پڑا، بالخصوص انتظامی و معاشرتی حالات سے، انہوں نے اس '' سنت رسول '' کو سامنے رکھ کر ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے - '' سنت رسول ''

سے اس طرح استفادہ کرکے جو طریقہ ہائے کار ماخوذ کئے گئے (۲)، ان کو بھی سنت، اور ”عمل“ کا نام دیا گیا - اپنے مقالے کی دوسری قسط میں میں نے اس کی بہت سی مثالیں دی ھیں - یہاں ان کا اعادہ لا طائل ھوگا -

(۹) یہ ”سنت رسول“ اولا اور بالذات سیر کی کتابوں میں ملتی ھے - کیونکہ سیر اور تاریخ کی کتابیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی دعوت کو من حیث الکل پیش کرتی ھیں - یہ فقہی اعتبار سے بہت زیادہ نہیں- (۳)

(۱۰) میرا یہ کہنا نہیں ھے اور نہ یہ میں نے کبھی کہا ھے کہ حدیث کی کتابوں کے تمام مشمولات تاریخی طور پر غیر صحیح ھیں- لیکن اس سلسلے میں جو مفصل دلائل اور شہادتیں میں نے پیش کی ھیں، ان سے ایسا معلوم ھوتا ھے کہ ان مشمولات کا بیشتر حصہ ”سنت رسول“ سے ماخوذ ھے، جیسا

---

۲ - ”قرآن مجید کی حیثیت قانونی اساس کی ھے - یہ غیر متبدل ھے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے اس قانون اساسی پر عمل کرنے والی صحابہ کی ایک جماعت تیار ہوئی، جسے قرآن میں السابقون الاولون من المهاجرین والا نصار کے نام سے یاد کیا گیا ھے - اس جماعت نے قرآن کی روشنی میں اور اس سے استنباط کرکے جو تمہیدی قوانین بنائے وہ بھی سنت میں داخل ھیں......“

”بنوامیہ کا دور آیا تو گو دولت اسلامی کا سیاسی مرکز دمشق میں منتقل ھوگیا، لیکن اسلام کا علمی مرکز بدستور مدینہ طیبہ ھی رھا- اس طرح اھل مدینہ کے ھاں اسلام کے قرن اول کا علمی اثاثہ سلسلہ بہ‌سلسلہ قائم رہ سکا- موطا میں اھل مدینہ کے اسی علم کو مدون کردیا گیا ھے چنانچہ امام مالک جب فرماتے ھیں : ”السنہ التی لا اختلاف فیھا عندنا کذا و کذا“ تو اس سے ان کی مراد اھل مدینہ کے اسی علمی سلسلہ سے ھے.. ...“ (امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف از مولانا عبیداللہ سندھی) - (مدیر)

۳ - دین اسلام کا اساسی قانون صرف قرآن ھے اور قرآن ھی حقیقت میں اصل دین ھے - قرآن نے بعض چیزوں کا حکم دیا ھے - اور بعض کے کرنے سے منع کیا ھے - اب ضرورت اس بات کی ھے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ قرآن کے ان احکام پر عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے زمانے میں کیسے کیسے عمل کیا گیا - اس لئے ھمیں ایک ایسی کتاب چاھئے جس میں تصریح ھوکہ رسول‌اللہ صلی‌اللہ علیہ وسلم نماز یوں ادا کرتے تھے - مسلمانوں سے زکوٰۃ اس طرح وصول کرتے تھے - خرید و فروخت کے معاملات اس طرح طے کرتے تھے - غرضیکہ رسول‌اللہ صلی‌اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلفائے راشدین کے عہد وفاق یعنی شہادت عثمان رضہ تک قرآن کے احکام پر جس طرح عمل کیا گیا - اس کی تفصیلات جاننے کی ھمیں ضرورت ھے اور یہ چیز ھمیں مؤطا امام مالک میں ملتی ھے“

(امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف) (مدیر)

کہ میں نے اوپر شق نمبر ۸ میں بیان کیا ہے - دوسری صدی ہجری کے اندر بتدریج ایک مرحلہ ایسا آیا کہ یہ ماخوذات جو '' سنت رسول '' سے مستنبط تھیں، سلسلۂ روایات کے ذریعہ خود '' سنت رسول '' کے دائرے میں شمار کی جانے لگیں -

مکرمت منزلا! جب اکثر و بیشتر موضوعوں اور بالخصوص فقہی احکام کے بارے میں روایات میں اس قدر اختلاف بلکہ تضاد پایا جاتا ہے، تو میں یہ کیسے باور کرلوں کہ روایات کا یہ سارا ذخیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں - لیکن اس کے ساتھ ہی میں اتنا علی وجہ البصیرت سمجھتا ہوں کہ یہ ذخیرہ روایات بحیثیت مجموعی دینی حجیت سے خالی نہیں - کیونکہ یہ چیزیں مسلمانوں نے خود اپنی طرف سے نہیں گھڑیں، بلکہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات سے اپنے فہم و دانش کے مطابق اخذ کی ہیں - اور یہی مسلمانوں کی سنت جاریہ تھی- اب اگر اسی سنت جاریہ کا احیاء کیا جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس سے اسلام کو کوئی نقصان پہنچے گا، میرے خیال میں اس سے اسے تقویت ہوگی بلکہ اس بارے میں میرا یہ حتمی عقیدہ ہے کہ سنت جاریہ کے احیاء سے اسلام کو '' استحکام '' ملے گا اور اس سے '' تخلیق افکارنو '' بھی انشاء اللہ ہوگی - ہمارا ایمان تو اللہ پر ، قرآن کریم پر اور رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہے، روایات کے کسی خاص مجموعہ پر نہیں -

رہا آپ کا امام شافعی رح کے متعلق مجھ سے سوال، تو میں یہ عرض کروں گا کہ وہ اپنے زمانے میں اور اپنی سمجھ کے مطابق اسلام کی بڑی خدمت اور ایک عظیم کام کرگئے ہیں - شکر اللہ سعیہم، لیکن بارشاد باری تعالیٰ

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾

میں نے اس سلسلے میں جو کچھ عرض کیا، وہ ان تاریخی عوامل کا تجزیہ تھا جو اس وقت کار فرما تھے - حاشا وکلا کسی کی تنقیص یا مخالفت مقصود نہ تھی -

(۱۱) اب میں نہایت اختصار سے، لیکن حسب استطاعت واضح طور پر یہ بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ میرے نزدیک ''تاریخی تنقید'' اور ''داخلی شہادت'' کا کیا تصور ہے -

(الف) روایات کے ضمن میں ''تاریخی تنقید'' سب سے پہلے اس بات کو دیکھے گی کہ حدیث زیر بحث قرآن کریم کی ظاہر شہادت یا کسی مسلمہ تاریخی شہادت یا کسی دوسری حدیث سے متعارض تو نہیں - مثلاً جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں، فقہی احادیث میں اس طرح کا اختلاف اور تضاد بکثرت پایا جاتا ہے -

(ب) اگر ایک حدیث کوئی ایسی بات بتاتی ہے، جو قرآن کریم کی ظاہر تعلیم سے ہم آہنگ نہیں اور رسول اکرم علیہ الصلواۃ والسلام کی زندگی میں مجھے ایسے حالات ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے، جو اس خاص حدیث کے لئے ''شان نزول'' بن سکیں - لیکن بعد میں مسلمانوں کی دینی تاریخ میں واضح اور بین طور پر ایسے حالات ملتے ہیں- جن میں اس حدیث میں مروی واقعات ٹھیک بیٹھتے ہیں، تو میں اس حدیث کو رسول اکرم علیہ الصلواۃ والسلام کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اسلامی تاریخ کے اس خاص دور کی طرف منسوب کروں گا - (۴)

تاریخ کے ایک طالب علم اور حق و صداقت کے ایک جویا کی حیثیت سے اس بارے میں میں اس کے سوا اپنے سامنے کوئی اور راستہ نہیں پاتا - میرا ہرگز

۴ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے السابقون الاولون من المہاجرین والا نصار کے مشورے سے جو تمہیدی قوانین بنائے، وہ سنت ہے - سنت کو ہمارے فقہائے حنفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین میں مشترک مانتے ہیں..... حضرت عثمان کے بعد قرآن سنت اور اس ''خیرالقرون'' کے اجماعی فیصلوں کی اساس پر زمانے کے لئے نئے نئے ضمنی قوانین بنتے رہے یہ گویا آیت'' السابقون الاولون من المہاجرین والا نصار والذین اتبعوھم باالاحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ'' میں اتباع بالاحسان کرنے والوں کا اجماع تھا۔
(امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف) - مدیر

ہرگز یہ خیال نہیں کہ اس سے خدانخواستہ اسلام کو کوئی گزند پہنچے گا۔

اب میں اس کی ایک مثال عرض کروں گا - ایک حدیث ہے ۔ من قال لا اله الا الله دخل الجنة و ان زنیٰ و ان سرق ،، میرے نزدیک اس حدیث کا مصداق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کہیں نہیں ملتا۔ اس دور میں ایمان اور عمل میں اس طرح کی تفریق کا تصور نہیں ہوسکتا۔ اور خود قرآن مجید ایمان اور عمل کے تشابک و تلازم پر مصر ہے، اور اس پر برابر زور دیتا ہے ۔ البتہ بعد میں جب مسلمانوں میں اس بارے میں سخت نزاع پیدا ہوا کہ آیا گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے یا مومن؟ تو یہ صورت حال اس طرح کی حدیث کی محرک بنی - اس طرح کی اور مثالیں میں اپنے مقالے میں دے چکا ہوں۔

محترم مولانا! آپ اس کے جواب میں کہیں گے کہ رسول اکرم علیہ الصلواۃ والسلام کو ان آنے والے واقعات کا علم تھا - یا ان کا اندیشہ تھا اور حضور ص کا یہ ارشاد پیش بندی اور پیش گوئی کے طور پر تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اسے تسلیم کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتا ہوں۔

میں نے اپنے مقالے میں بالاصرار کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ احادیث میں جو پیشن گوئیاں مذکور ہیں، میں ان سب کے خلاف نہیں ہوں اور بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ بصیرت پر میرا ایمان ہے۔ اور اس بنا پر آپ ص نے جو پیش گوئیاں فرمائیں، ان سے میرے ایمان کو اور تقویت ملتی ہے - خود قرآن مجید میں ''غلبت الروم فی ادنی الارض،، میں رومیوں کی شکست کے بعد دوبارہ ان کی فتح کی پیش گوئی کی گئی ہے - اور سورہ الفتح میں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر اتری تھی، فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے۔ ایسے ہی احادیث میں اس قسم کی جو پیش گوئیاں مروی ہیں - مجھے ان کے تسلیم کرلے سے مطلقاً انکار نہیں ۔ یہ یقیناً رسول اکرم علیہ الصلواۃ والسلام کی تاریخی عوامل کے متعلق پیغمبرانہ بصیرت کی دلیل ہیں -

میں نے تو اپنے مقالے میں ان پیش گوئیوں پر مشتمل احادیث کا ذکر کیا ہے، جن کے مصادیق کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے کہیں

دور کا بھی تعلق نہیں اور جو تاریخی عوامل آپ ص کی زندگی میں اس وقت موجود تھے، ان پیش گوئیوں کا براہ راست ان سے کوئی واسطہ نہیں - پھر اموی دور اور اس کے بعد ابتدائی عباسی دور میں مسلمانوں میں جو سیاسی دھڑے بندیاں وجود میں آئیں - اس کے ساتھ ساتھ ان میں اعتقادی نزاعات شروع ہوئے - چنانچہ ان کا ہر سیاسی دھڑا اور اعتقادی گروہ ایک دوسرے سے الجھنے لگ گیا اور خود کو حق پر اور دوسرے کو باطل ثابت کرنے کی بحثیں ان فرقوں کا محبوب مشغلہ بن گیا - تو ان حالات میں وہ تاریخی عوامل بروئے کار آتے ہیں، جو اس قسم کی پیش گوئیوں والی احادیث کی ترویج کا باعث بنتے ہیں -

مخدومی مولانا صاحب! میں یہ عرض کروں گا کہ اگر بالفرض ہم یہ مان لیں کہ یہ سب پیش گوئیاں (جن میں قدریہ اور جبریہ فرقوں کے متعلق بھی پیش گوئیاں شامل ہیں) رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی تھیں، تو یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تدوین احادیث کے بعد امت کو جن حالات سے سابقہ پڑا اور آج جن حالات سے ہم دوچار ہیں، ان کے بارے میں آپ کی کوئی پیش گوئی کیوں نہیں ملتی- پھر سب سے تعجب انگیز امر یہ ہے کہ مستقبل میں رونما ہونے والے اس قسم کے واقعات کے متعلق یہ پیش گوئیاں صرف احادیث میں ملتی ہیں، قرآن مجید میں ان کی طرف اشارہ تک نہیں -

لیکن اس کے ساتھ ساتھ تو میں یہ بھی عرض کروں گا کہ میرے نزدیک کسی روایت کے تاریخی طور پر رسول اکرم علیہ الصلواۃ والسلام کی طرف منسوب کئے جانے کی عدم صحت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ روایت دینی حجیت سے خالی ہے، اس لئے گو اجماع کی حدیثیں میرے نزدیک تاریخی طور پر قابل قبول نہیں - لیکن اجماع کی دینی حجیت سے کون انکار کرسکتا ہے - اسی طرح ''من قال لا الہ الا اللہ'' والی حدیث ایک بنیادی دینی صداقت کی حامل ہے -

(۱۲) یہ جو مقدمات میں نے عرض کئے ہیں، امید ہے ان سے میرا ''تصور اجماع'' اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ میرے اس ''تصور اجماع'' کے نتیجے میں ''تخلیق افکارنو'' ہوسکے گی، ایک حد تک واضح ہوگیا ہوگا -

مولانائے مکرم! میں نے کبھی یہ نہیں کہا اور نہ کوئی مسلمان جو خدا تعالیٰ اور اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے، کہہ سکتا ہے کہ ''فکر کی آزاد روانی'' مادر پدر آزاد یعنی قرآن و سنت سے آزاد رہ کر ہوسکتی ہے۔ میری یہ گذارش ہے اور میں اس پر اصرار کروں گا کہ فکر اسلامی کے دھارے کی روانی اور اس کی مسلسل تخلیق قرآن و سنت کے تحت ہو۔ باقی قرآن و سنت سے ہم آج اور مستقبل میں کس طرح احکام مستنبط کریں اس کی بھی میں اپنے مقالے میں وضاحت کرچکا ہوں۔

میں یہاں یہ عرض کروں گا کہ ایک جامد اور متحجرانہ ذہنیت قرآن و سنت کے بالکل منافی ہے۔ زندگی بڑی سرعت سے آگے بڑھ رہی ہے اور اس کے نتیجے میں ہمیں نئے نئے حالات سے سابقہ پڑے گا، جن کے لئے ہمیں قرآن و سنت سے احکام استنباط کرنا ہوں گے تاکہ فکر و عمل کے دوائر کو قرآن و سنت کے تحت رکھا جاسکے۔ اب استنباط احکام کے لئے اجماع لازمی ہے، اور میرے نزدیک یہ اجماع دو مختلف سطحوں پر ہوگا۔ ایک تو عام اسلامی افکار کی سطح ہے۔ اس سطح پر ہر مفکر اور عالم اپنے مطالعہ اور غور و فکر کا حاصل تحریر و تقریر کے ذریعہ قوم و ملت کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔ اور اس کے رد و قبول کے دروازے بالکل کھلے ہونے چاہئیں۔ اس نوع کا عام اجماع در اصل پوری ملت کا فریضہ ہے۔ اور اس میں براہ راست وہ شریک ہوگی لیکن یقیناً کچھ خاص مسائل ایسے بھی ہوں گے، جن کے بارے میں لا محالہ متخصصین حضرات اور اہل علم ہی رائے دے سکیں گے۔ جیسے کہ اسلامی قانون کے مختلف پہلو ہیں۔ ان خصوصی مسائل کے متعلق متخصصین کی آراء جمہور مسلمانوں کی نمائندہ اسمبلی کے سامنے پیش کی جائیں گی اور وہاں جمہور کے نمائندے ان پر آزادانہ بحث کریں گے اور آخر میں یہ آراء مملکت کے لئے قانون کی شکل اختیار کریں گی۔ لیکن یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ کسی قانون کو قبول یا رد کرنے کا آخری حق قوم ہی کو حاصل ہوگا، اور حقیقی اجماع در اصل قوم ہی کے اتفاق رائے سے ہوگا، اگر جمہور اسمبلی کے ایک منظور کردہ قانون کو ٹھیک نہیں سمجھتے اور ان کا مجموعی مزاج اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، تو وہ اپنے نمائندوں کے ذریعہ اسی اسمبلی سے اس کو بدل سکتے

ھیں - لیکن یہ امر ذھن نشین رھے کہ جب اجماع منعقد ھوجائے ، تو اس وقت اس کا حکم قطعی ھوگا اور اسے عملاً قبول کرنا ھوگا، تا آنکہ وہ دوسرے اجماع سے بدلا نہ جائے - (۵)

محترما، اگر تاریخ اسلامی کا بالاستیعاب اور بغور مطالعہ کیا جائے تو جو کچھ میں نے عرض کیا، اس کی تصدیق ھوتی ھے۔ مثال کے طور پر تاریخ اسلام کی پہلی صدیوں میں بے شمار مذاھب فقہ ابھرے تھے ، لیکن جمہور نے ان میں سے بعض کو اپنا لیا، اور وہ باقی رہ گئے۔ اور جن کو عوام نے قبول نہ کیا ، وہ قائم نہ رھے اور متروک ھوگئے - غرض واقعتاً و عملاً جمہور ھی حقیقی اجماعی قوت ھیں - اور ان کے سوا کوئی یہ وظیفہ عمل سر انجام نہیں دے سکتا - اور نہ اب تک دے سکا ھے - جمہور اپنے اجماعی عمل سے پہلے کے اجمالی فیصلے بدلتے آئے ھیں اور آئندہ بھی بدل سکتے ھیں - آپ اور ھم چاھے لاکھ کہیں کہ پہلے کے منعقد شدہ اجماع کو امت بدلنے کی مجاز نہیں، لیکن اس کا کیا علاج کہ جب جمہور ھی کے پاس عملاً اجماع کی حقیقی قوت ھے تو جب وہ بروئے کار آئے گی، تو آپ کی اور ھماری تمام چیخ اور پکار درماندہ کاروان کی صدائے دردناک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھے گی -

۵ - قرآن کے اساسی قانون پر حکومت قائم کرنے والی جماعت کے متفقہ یا اغلبیت کے فیصلوں کا نام اجماع ھے - یہ اجماع آج بھی ھوسکتا ھے اور ھمیشہ ھوتا رھے گا - یہ کسی خاص زمانے یا عہد تک محدود نہیں - البتہ شرط یہ ھے کہ یہ اجماع ''اتباع بالا حسان'' پر عمل کرنے والی جماعت کا ھو- یعنی وہ جماعت قرآن کے ساتھ رسول اکرم علیہ الصلواۃ و السلام نیز سابقین مہاجرین و انصار کے عہد وفاق تک کے فیصلوں کو بھی اپنے لئے سنت مانے - اور حقیقت یہ ھے کہ آن کے یہ فیصلے در اصل قرآن سے علیحدہ کوئی چیز نہیں - بلکہ یہ تو محض ''بائی لاز'' تھے ، جو اساسی قانون یعنی قرآن کی عملی تفصیل کرتے تھے - چنانچہ جس طرح ان مہاجرین و انصار نے اپنے لئے ''بائی لاز'' یا تمہیدی قوانین بنائے، اسی طرح ''اتباع بالاحسان'' پر عامل جماعت آج بھی قرآن مجید، دور اول کے اجماع - یعنی ان ''بائی لاز''، یا تمہیدی قوانین یا سنت سے استنباط کر کے اپنے لئے تشریحی ''بائی لاز'' بنا سکتی ھے اور یہ سلسلہ ھمیشہ ھمیشہ تک جاری رہ سکتا ھے - ورنہ ظاھر ھے کہ اگر اس طرح اجماع کی اجازت نہ ھو اور قرآن کے اساسی قانون پر عمل کرنے والوں کو نئے زمانے کے حالات کی مناسبت سے اپنے لئے تشریحی قوانین بنانے ممنوع ھوں تو کوئی نظام جو ترقی پذیر ھے ' اور کوئی جماعت جو ترقی کن ھے ، زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی

(امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف) - مدیر

باقی رہا " ربا " کے مسئلے میں میرا مؤقف - تو حضرت مولانا! اس بارے میں بھی آپ غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں - میں نے بقول آپ کے " فکر کی آزاد روانی " یا " اجتہاد " کے تحت نعوذ باللہ کسی حرام کو حلال نہیں کیا - اگر آپ ایک بار پھر ذرا ٹھنڈے دل سے اور اپنے مشتعل جذبات کو جن کے بارے میں جناب کو یہ حسن ظن ہے کہ وہ " الدین نصیحہ " کی پیداوار ہیں، قابو میں رکھ کر ربا پر میرے مبسوط مقالے بالخصوص اس کے نتائج کا بغور مطالعہ فرمائیں تو یہ بات صاف عیاں نظر آئے گی کہ میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ جو بات حرام تھی، وہ نعوذ باللہ اب حلال ہو گئی ہے - اس ضمن میں میں نے صرف اتنا کہا ہے کہ میرے نزدیک بنک کا تجارتی منافع (سود) ربا کی تعریف میں نہیں آتا - آپ میری اس رائے سے بے شک اختلاف کرسکتے ہیں - لیکن میرے بارے میں جناب کا یہ فتویٰ کہ میں نے حرام کو حلال کردیا ، سوء ظنی کا جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، بڑا بھونڈا مظاہرہ ہے -

آپ حضرات نے مستشرقین کے متعلق بڑا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے - اس باب میں میرے جو خیالات ہیں، ان کا اظہار میں محترم مدیر روزنامہ " ڈان " کے سوالات کے جواب میں ۹ اکتوبر سنہ ۶۳ء کے " ڈان " میں کرچکا ہوں - آپ ذرا زحمت فرمائیں - میرے اس مضمون کا مطالعہ کریں- انشاء اللہ اس بارے میں آپ کے تمام شکوک رفع ہوجائیں گے اس کے بعد میں آپ سے توقع کروں گا کہ آپ مستشرقین کی آڑ میں مجھ پر بے موقع و بے محل ذاتی حملے کرنے چھوڑدیں گے - اور یوں بھی " الدین نصیحہ " کے ارشاد کے تحت تو آپ کو ذاتی حملوں اور سخیف قسم کی فقرہ بازیوں سے کچھ بلند ہی ہونا چاہئے- افہام و تفہیم کا، جو بقول آپ کے، اس بحث میں آپ کے پیش نظر ہے ، یہ طریقہ نہیں ہوتا - یہ تو عناد و منافرت کا طریقہ ہے، جو نہ آپ ایسے بزرگ عالم کے جن کی میرے دل میں بڑی عزت ہے ، شایان شان ہے اور نہ " بینات " جیسے ماہنامہ کے لئے جو "قرآن کریم اور سنت نبوی کی تعلیمات کا علمبردار" ہے، یہ زیب دیتا ہے -

مخدومی و محترمی! اگر اسلام کا نخل میرے خون سے برو مند ہوسکتا تو خدا گواہ ہے کہ مجھے اسے نذر کرنے میں مطلق تامل نہ ہوتا ، لیکن آپ

تاریخ اسلام کی پوری سرگذشت پر ایک نظر ڈالیں اور اپنے ضمیر اور علم و بصیرت کی روشنی سے دیکھ کر بتائیں کہ کیا اس طرح کی تکفیر، اور مخالفین کو "مباح الدم" قرار دینے کے فتوؤں سے اسلام کو تقویت پہنچی ہے؟

محترما! ہم یہ مان لیتے ہیں کہ مستشرقین نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ہم مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کرنے اور اس میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لئے لکھا ہے۔ اور یہ کہ ان کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی غلط یا صحیح علمی مقصد نہیں، لیکن یہ مان لینے کے بعد بھی وہ سوالات جو ان مستشرقین کی طرف سے کئے جاتے ہیں اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ اور آپ کے اور ہمارے اس افتاء سے صفحات کتب سے محو نہیں ہوجاتے۔ کیا اس صورت میں آپ کا اور میرا یہ فرض نہیں کہ ان سوالات کا جائزہ لیں۔ ان کی صحت کو پرکھیں اور ان میں مندرجہ غلطیوں کی تصحیح کریں۔ آخر اس باب میں بحث ہوگی، اور ہوتی رہے گی۔ اور جیسے جیسے تعلیم عام ہوگی ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے سامنے یہ سوالات آئیں گے، ان پر لازماً تبادلہ خیالات ہوگا اور اس ضمن میں مستشرقین اور ان کے مباحث کا ذکر آئے گا۔

مستشرقین کے ناموں سے خواہ مخواہ چڑنا، اور انہیں جا و بے جا صلواتیں سنانا، بے شک آپ اسے اپنی "حمیت دینی" کے ثبوت میں پیش کریں گے، میں احتراماً خواہ اس بات کو مان بھی لوں، لیکن آپ مجھے یہ عرض کرنے کی ضرور اجازت دیں کہ اس کو کوئی بھی ذوق علم اور تلاش حق نہیں کہے گا۔ اور جب حالت یہ ہے تو آپ ہر خرولئیے، گولڈ تسہیر اور شاخت کے نظریات کا فرق معلوم کرکے کیا لیں گے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ہدانا و ایاکم الی الصراط المستقیم بھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(آپ کے سوالنامہ کے جواب میں میری معروضات کا یہ بنیادی نقطہ ہے۔ آپ کے بعض چیدہ چیدہ سوالات کا اپنے دوسرے مضمون میں جواب دینے کی کوشش کروں گا)

(ڈاکٹر) فضل الرحمن